۲۴۔ المجادلة ۱۸ استحوذ علیھم الشیطان فانساھم ذکراللہ اولئک حزب الشیطان (شیطان ان پر غالب ہو گیا اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں۔)

۲۵۔ المنافقون ۹ یایھا الذین امنوا لا تلھیکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکراللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخسرون (اے ایمان والو تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ اور جس نے ایسا کیا وہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔)

۲۶۔ الجن ۱۷ ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذاباً صعداً (اور جس نے اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑا تو رب تعالیٰ اسے چڑھنے کے عذاب میں گرفتار فرمائے گا۔) (آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھنے کا عذاب)

۲۷۔ ایضاً ۱۸ وان المساجدللہ فلا تدعوا مع اللہ احداً (اور مسجدیں اللہ کیلئے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔)

۲۸۔ ایضاً ۲۰ قل انما ادعوا ربی (آپ فرمائیں میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔)

۲۹۔ المزمل ۸ واذکراسم ربک وتبتل الیہ تبتیلاً (اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور اس کی طرف مکمل توجہ کیجئے۔)

۳۰۔ الدھر ۲۵ واذکراسم ربک بکرۃ واصیلاً (اور اپنے رب کا نام صبح و شام لیجئے۔)

۳۱۔ القریش ۳ فلیعبدوا رب ھذا البیت (اس گھر (کعبہ شریف) کے رب کی عبادت کریں)

ذکر و عبادت کا حکم : (۳۱)

ایک ضروری وضاحت

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ یہ عدد مجموعی طور پر ۶۸ بنتا ہے۔ اس میں نماز کے احکام 'نماز کے تذکرے' نماز کے ارکان کے تذکرے اور نماز کی روح (عبادت و ذکر وغیرہ) کے تذکرے شامل ہیں۔ میں نے اس میں مندرجہ ذیل آیاتِ سجدہ شمار نہیں کیں :۔

نمبر شمار	نام سورة	آیت نمبر	مفہوم
۱۔	اعراف	۲۰۶	فرشتوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔
۲۔	رعد	۱۵	ہر شے کا اللہ کے حضور سربسجود ہونا مذکور ہے۔
۳۔	نحل	۵۰	ملائکہ کا حال بیان ہوا ہے
۴۔	بنی اسرائیل	۱۰۹	سجدہ تلاوت مراد ہے
۵۔	مریم	۵۸	ایضاً
۶۔	حج	۱۸	ہر شے کے سجدے کا ذکر ہے
۷۔	الم سجدہ	۱۵	سجدہ تلاوت مراد ہے
۸۔	ص	۲۴	حضرت داوٗدؑ کے سجدے میں گرنے کا بیان ہے
۹۔	حٰم سجدہ	۳۸	فرشتوں کا حال بیان کیا گیا ہے
۱۰۔	انشقاق	۲۰	سجدہ تلاوت مراد ہے

اسی طرح میں نے مندرجہ ذیل چار آیاتِ ذکر بھی نماز میں شمار نہیں کیں :۔

۱۔	بقرہ	۲۰	جس میں اللہ کا ذکر اپنے آباؤ اجداد کے ذکر کی طرح کرنے کا حکم ہے۔
۲۔	انفال	۴۵	میدان جنگ میں ذکر کثیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
۳۔	احزاب	۳۵	ذکر کثیر کرنے والوں کو اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے۔
۴۔	ایضاً	۴۱	ذکر کثیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ان آیات سے نماز مراد نہیں لی جا سکتی جیسا کہ اہل علم پر ظاہر ہے۔ لیکن اگر ان مقامات کو بھی نماز کا ہی ذکر سمجھ لیا جائے تو پھر بھی یہ عدد ۸۲ بنتا ہے سات سو نہیں۔ اصل حقائق کا علم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی ہے ہم تو ظاہر بین ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ضمن میں ہوانے والی ہر لغزش کو معاف فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

معاشرتی تعلیماتِ قرآنی کے چند نمایاں پہلو

تحریر: ڈاکٹر شمس البصر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ" اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

انسان فطری طور پر مدنی الطبع ہے۔ اجتماع پسندی کی وجہ سے ہی وہ معاشروں کو ترتیب دیتا ہے۔ اجتماعی زندگی گزارنے کی وجہ اس کی امن پسندی فطری مجبوری ہے۔ اس کی اس امن پسندی کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"واذقال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ قالوا اتجعل فیھا من یفسدفیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمد ک ونقدس لک قال انی اعلم مالاتعلمون(۱)

(اور یاد کرو کہ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے (اپنے سابقہ تجربے کی روشنی میں جو کہ جنوں سے متعلق تھا) کہا تو اس میں ایسے کو (خلیفہ) بنائے گا۔ جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا۔ درآنحالیکہ ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

انسان بنیادی طور پر تقسیم محنت کی وجہ سے ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کا یہ احتیاج شروع ہوجاتا ہے۔ جب بھی اس کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ روتا ہے اور جیسے ہی اسے مطمئن کیا جاتا ہے وہ خاموش ہوجاتا ہے۔ وہ اپنا دفاع اور تحفظ چاہتا ہے۔ کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، لباس تبادلہ خیالات۔ غرض زندگی کے اکثر شعبوں میں وہ دوسروں کا دست نگر رہتا ہے۔ انسان کا خصوصی احتیاج تعلیم و علم اس اجتماعی زندگی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کی مثال جسم کی مانند ہے۔ جس کا اگر کوئی حصہ الگ ہوجائے تو وہ بے جان ہوجاتا ہے۔ اسی طرح انسان جب اجتماعیت سے الگ ہوجاتا ہے تو وہ فنا ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کے اعمال اغراض وعادات کی جماعتی زندگی کے بغیر کوئی قدروقیمت ہی نہیں ہے۔(۲)

معاشرتی زندگی میں انسان ایک دوسرے کو کسی نہ کسی طرح متاثر کرتے رہتے ہیں۔ یہی اثر فرد کا فرد کے اوپر، فرد کا خاندان کے اوپر اور ہر چھوٹی بڑی جماعت کا ایک دوسرے کے اوپر ہوتا ہے۔ خیر وشر صحیح اور غلط، جائز وناجائز میں تمیز کی ضرورت تب ہی تو پیش آتی ہے۔ اگر اجتماعی زندگی نہ ہو تو جائز وناجائز کی کوئی حیثیت نہیں اسی حوالے سے سچائی کا خیر ہونا اور جھوٹ کا شر ہونا اس وقت تک کوئی قدروقیمت نہیں رکھتا جب تک وہ ایسے انسان سے وابستہ نہ ہو جو اجتماعی زندگی بسر کرتا ہو اگر

نہیں تو پھر کوئی خیر خیر نہیں اور کوئی شر شر نہیں اور اگر اس سے بھی زیادہ گہری نظر سے کام لیں تو ہم کو معلوم ہوجائے گا کہ اگر انسان اجتماعی زندگی سے الگ رہنا بھی چاہے تو یہ اس کے امکانات سے باہر ہے۔ اور اگر وہ اس قسم کا کوئی ارادہ بھی کرے تو جماعتی زندگی سے اس کو جو امداد مل سکتی ہے وہ اس سے یکسر محروم ہوجائے گا۔ اسلام اجتماعی زندگی کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وبالوالدين احسانا وبذى القربى واليتمى والمساكين والجارذى القربى والجار الجنب والصاحب بالنجب وابن السبيل وماملكت ايمانكم"(۳)

(اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غرباء کے ساتھ بھی اور ساتھ والے پڑوسیوں کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔)

اس معاشرتی تصور نے مجموعی طور پر معاشرے کے افراد میں ہمدردی " اخوت، مساوات، قومیت، بین الاقوامیت ریاست و خلافت کی مختلف صورتیں پیدا کیں۔

انسان کی طرح بعض حیوان بھی معاشرت پسند واقع ہوئے ہیں جن میں شہد کی مکھی اور چیونٹی وغیرہ شامل ہیں مگر ان کی معاشرت محدود اور غیر ارتقائی ہے۔ وہ زندگی کے ایک ڈگر پر چلتے ہیں۔ جبکہ انسان ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ اور روزانہ نت نئے راستوں کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ انسان کی اسی معاشرتی زندگی کا حوالہ ہمیں مذہبی تاریخ ہی سے ملتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان اوائل ہی سے معاشرتی زندگی گزار رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين(۴)

(سب لوگ ایک جماعت کی صورت میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشخبری سناتے تھے اور خوف دلاتے تھے۔

ابن خلدون اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

اجتماع انسانی ایک ضروری اور ناگزیر شے ہے۔ اس کو حکماء اپنی اصطلاح میں " مدنی الطبع" کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی انسان کو بغیر اجتماع کے چارہ نہیں جس کو حکماء "مدنیت" کہتے ہیں اور ہم اس کو "عمران" سے تعبیر کرتے ہیں۔(۵)

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی فطری مشکلات پر قابو پا کر معاشرت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی اس کی معاشرت پسندی کی وجہ ہے۔ اس کے یہی اعلیٰ درجات صرف مادی کامیابیوں تک محدود نہیں بلکہ اس میں اخلاقی کمالات اور اعلیٰ انسانی صفات کا حصول بھی شامل ہے۔ انسان دوسری مخلوقات کے مقابلے میں خیر و شر" صحیح وغلط " جائز و ناجائز اخلاقیات اور غیر اخلاقیات کے تمیز کرنے میں منفرد واقع ہوا ہے۔ اور معاشرے میں، جب بھی کسی قسم کے غیر معروف کام ہونے لگتے ہیں تو معاشرے میں رہنے والے افراد کو ان کے اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے۔ دین اور پیغمبروں کی خدمات کو ان مقاصد کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ تاکہ انسان کی صحیح طریقے سے رہنمائی بھی ہو اور وہ ترقی کی راہ پر گامزن بھی رہے۔ پیغمبروں کی اس کڑی کے آخری پیغمبر جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔ ان پر اس سلسلے کی آخری کتاب " قرآن مجید " نازل فرمائی گئی۔ قرآن کریم کی معاشرتی تعلیمات نے معاشرے پر جو اثرات مرتب کئے ان کا مختصر سا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ توحید

قرآن کریم معاشرے کی اساس عقیدہ توحید پر رکھتا ہے۔ اور انسان کو اس کے خالق کے واحد لا شریک ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔ الوہیت کا یہ تصور باقی تمام مذاہب اور نظریات سے جداگانہ ہے۔ اس تصور میں عزت و ذلت حکومت واقتدار غربت و امارت سب کچھ اس واحد لاشریک کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن کریم نے یہ پیغام اس معاشرے میں دیا جہاں ہر طرف بت پرستی اور مختلف خداؤں کا تصور تھا۔ ارشاد ہوا:

والهكم اله واحد لااله الا هوالرحمن الرحيم(٦)

(اور تمہارا الٰہ صرف ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں وہی رحمٰن اور رحیم ہے)

فرمایا:

قل هو ربی لااله الا هوعليه توكلت واليه متاب(٧)

(آپ کہہ دیجئے کہ وہی میرا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔)

فرمایا

فالهكم اله واحد فله اسلموا(٨)

(تمہارا معبود تو ایک معبود ہی ہے۔ لہذا تم اسی کی فرمانبرداری اختیار کرو۔)

فرمایا:

قل انی امرت ان اکون اول من اسلم ولا تکونن من المشرکین(۹)

(آپ کہہ دیجیئے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کا حکم بجا لانے والوں میں سے پہلا ہو جاؤں اور (یہ کہ) تم ہرگز مشرکوں میں نہ ہو جاؤ۔)

خدائے واحد کے اس تصور کے ساتھ انسان کی تخلیق کے مقاصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون(۱۰)

(اور ہم نے جنوں اور انسانوں کی تخلیق عبدیت ہی کیلئے کی ہے۔)

ارشاد ہوا:

ولقدبعثنافی کل امة رسولا ان اعبدالله واجتنبواالطاغوت(۱۱)

(اور ہم نے ہر امت میں رسول مبعوث کئے کہ (تم) اللہ کی عبدیت اختیار کر اور شیطان سے بچو۔)

۔ اسلامی تعلیمات میں اللہ تعالیٰ کو کہیں رحمن و رحیم کہیں رب المشرقین ورب المغربین اور کہیں یحیی ویمیت کے وصف سے یاد کیا۔ ان تمام کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ عقیدہ توحید میں کسی قسم کے شرک کا شائبہ تک نہ رہے۔ ان تعلیمات کا نتیجہ وہی نکلا جو کہ مقصود تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے۔ اور اس کی اقسام نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہے اگر وہ درست ہے تو سب نیکیاں درست ہیں اور اگر وہ فاسد ہے تو سب نیکیاں فاسد ہیں۔(۱۲)

قرآن کریم توحید کی تعلیم دیتے ہوئے قادر مطلق کے مقابلے میں بتوں کی پوجا کرنے والوں سے انداز اس مخاطب ہوتا ہے:

الهم ارجل یمشون بهاام لهم ایدیبطشون بها ام لهم اعین یبصرون بها ام لهم آذان یسمعون بها(۱۳)

کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے بل وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا کان ہیں جن سے وہ کچھ سن سکتے ہیں۔)

یہ بھی فرمایا

امن یجب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض أاله مع

اللہ(۱۴)

(کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (اس قسم کے کام کرنے والا) ہے۔)

الہ کے اس قرآنی تصور نے اس معاشرے کی پوری ہیت بدل کر رکھ دی۔ اور اس مختلف النوع تصورات کے حامل معاشرہ کو تمام آلائشوں سے پاک کردیا۔ اللہ کی ذات اور صفات میں کسی قسم کی ملاوٹ اور زندگی کے جملہ امور سے متعلق تعلیم دیتے ہوئے ارشادِ خداوندی ہے:

الذین امنواولم یلبسواایمانهم بظلم اولئک لهم الامن وهم مهتدون(۱۵)

(جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی بس یہی لوگ امن کے مستحق ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

اسی طرح زندگی کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریک له وبذلک امرت وانا اول المسلمین(۱٦)

(آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز میری عبادت میرا جینا میرا مرنا اللہ کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔)

عن ابی الدرداء قال اوصانی خلیلی ان لاتشرک بالله شیئاً وان قطعت وحرقت ولا تترک صلوة مکتوبة معتمداً فمن ترکها متعمداً فقد برئت منه الذمة ولا تشرب الخمرفانهامفتاح کل شر(۱۷)

(حضرت ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ میرے محبوب نے مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھرانا اگرچہ تمہاری بوٹی بوٹی کردی جائے اور تم کو جلا کر خاک بھی کردیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑدیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہوجاتا ہے اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔)

رسول اکرم ﷺ نے توحید کی بنیاد کو اس طرح مضبوط کیا کہ معاشرے کا ہر فرد زندگی کے ہر ہر شعبے میں اس واحد لاشریک کی یکتائیت کو اجاگر کرنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے سامنے یہ کہا: ماشاء اللہ ماشئت " جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اجعلتنی للہ ندا" کیا تم نے مجھے اللہ کے ساتھ شریک کیا۔ قل ماشاء اللہ وحدہ" پس کہہ دیجئیے کہ جو صرف ایک اللہ چاہے(۱۸)

اس پوری دعوت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے قریش کے معتبرین سے فرمایا:

فان تقبلوا منی ما جئتکم به فهوحظكم فی الدنیا وفی الاخرة(۱۹)

ایک اور موقع پر حضور ﷺ کے حوالےسے کہا گیا:

ان محمدیزعم ان تابعتموه علی امره کنتم ملوک العرب والعجم"(۲۰)

(محمد ﷺ کا خیال ہے کہ اگر تم اس کے حکم کی پیروی کروگے تو تم عرب اور عجم پر حکومت کروگے۔)

یہ وہ بنیادی تربیت تھی جو کہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کی گئی۔ اسی وجہ سے خوف و طمع، نفع ونقصان کو اس عقیدے کے حاملوں نے صرف اور صرف خدائے واحد کے ساتھ وابستہ کیا۔ ان کو تعلیم ہی یہی دی کہ محبت اور نفرت اگر ہو تو وہ بھی اللہ ہی کی خاطر ہوں۔ غیر اللہ کے ساتھ تمام رشتے ختم کردیئے گئے صرف اور صرف مالک حقیقی کے ساتھ محبت اور امید کا رشتہ قلوب میں راسخ کردیا گیا قلب ودماغ سے شرک اور کفر کی نجاستوں کی بیخ کنی کی گئی اور پورے معاشرہ کو خدائے واحد لاشریک کی لازوال محبت میں ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق عرب و عجم کی رہنمائی کرنے لگے۔

(۲) وحدت انسانی

قرآنی تعلیمات کے مطابق معاشرے کی اصل بنیادانسان ہے۔ قرآن نے اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد قرار دیا۔ اور تمام انسانیت کو زبان رنگ و نسل قومیت اور وطنیت کے فرق کے باوجود ایک برداری کا حصہ گردانا۔

ارشاد خداوندی ہے

یاایهاالناس انا خلقنکم من ذکروانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقکم(۲۱)

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناشت کرسکو تم میں سے زیادہ صاحب فضیلت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ صاحب تقوی ہو۔)

قرآن کریم نے انسانوں کے اس، تمام ظاہری فرق کو پہچان سے تعبیر کیا جبکہ تمام بنی آدم کو دوسری تمام مخلوقات کے مقابلے میں مکرم ٹھہرایا۔

ارشاد ہوا:

ولقد کرمنا بنی آدم(۲۲) (کہ ہم نے بنی آدم کو تکریم دی)

یہ تکریم انسانیت مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ اس میں پوری انسانیت شامل ہے۔ انہی تعلیمات کی بدولت اس اونچ نیچ والی معاشرت میں تکریم انسانیت کا وہ درس دیا جس کی وجہ سے عرب و عجم "امیر و فقیر آقا و غلام سب ایک دوسرے کے بھائی بنے۔ قرآنی تعلیمات کی بدولت افضلیت کے تمام معیار بدل گئے۔ اذہان کی اس تبدیلی کی مثال دنیا کا کوئی نظام " فلسفہ یا مذہب آج تک نہ پیش کرسکا ہے نہ پیش کرسکے گا۔

قرآن کریم نے فضیلت کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ کو قرار دیا۔ اور بھائی چارے کا تصور تصور الہ کے ساتھ اس طرح مربوط کیا کہ اس عقیدے کے حاملین ایک دوسرے کو بھائی سمجھنے لگے۔ آج بھی معاشرہ اس پر اسی طرح عمل پیرا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان چاہے اسکا تعلق افریقہ سے ہو یا امریکہ سے چین سے ہو یا ہندوستان سے، کشمیر سے ہو یا بوسنیا سے۔ افغانستان سے ہو یا چیچنیا سے یا سوڈان سے سب آپس میں ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں اور ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ آج کے کمزور مسلمان کی نظر میں بھی رنگ و نسل، علاقے اور قومیت کی کوئی حیثیت نہیں۔

اسلامی تعلیمات نے نوع بشر کو بغض و عناد، نفرت و تعصب سے نجات دلائی۔ نسل انسانی کو وحدت کا درس دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

یایھاالناس اتقواربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھاوبث منھما رجالا کثیراً ونساء(۲۳)

(اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں میں سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔)

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

یامعشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاباء الناس من آدم وآدم من تراب(۲۴)

(اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کردیا ہے سب لوگ آدم سے اور آدم مٹی سے ہیں۔)

اسلام عالمگیر اتحاد ملی کی بنیاد قائم کرتا ہے اور لوگوں کو ملی، نسلی اور جنسی اعتبارات کی بنیاد پر ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتا جس کا نتیجہ سیاسی " معاشی اور معاشرتی یکجہتی کی صورت میں نکلتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے اس تصور وحدت نے غلاموں کو بھی وہی حقوق دیئے جو آزاد مسلمانوں کو حاصل رہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی قائد غلاموں سے رہے۔ کسی کو ان کی غلامی سے عار نہ ہوا۔ زید یا اسامہ بن زید کا یہ تعلق صدیق اکبرؓ سے ہو یا فاورق اعظمؓ یا اسداللہ سے ہو یا محمود کا ایاز سے ہو کسی نے اپنی ہتک محسوس نہیں کی۔ فطری مساوات اور پرہیزگاری نے مصنوعی قسم کی برتریاں ختم کردیں۔ مساوات انسانی کا یہ سلسلہ زندگی کے تمام شعبوں میں ہر طرف دکھائی دیتا ہے۔ عبادات کو ہی لیجئے ۔ نماز ہو، روزہ حج یا زکواۃ سب پر فرض ہے، مسافر کیلئے عبادت میں جو رعایت دی گئی ہے وہ امیر غریب سب کیلئے یکساں ہے۔ جرم اور سزا میں ایک عام آدمی اور خلیفہ وقت سب برابر ہیں۔ نتیجتاً انہیں تعلیمات نے معاشرے پر انمٹ نقوش چھوڑے۔

(۳) فکری ہم آہنگی

اسلامی تعلیمات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے انسان کی معاشرتی زندگی کیلئے بنیادی رہنمائی فراہم کرنے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اور وہ رہنمائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبروں کی توسط سے فرمائی ۔ انسان سرشت اور مقصد کے اعتبار سے ایک ہی تھے۔ خود غرضی اور دانستہ جہالت نے انسانوں کو اس فکری وحدت سے الگ کردیا۔ اس کو راہ راست پر لانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا اہتمام کیا۔ ان کو گمراہیوں سے نکال کر وحدت فکری کی طرف لانا پیغمبروں کا فریضہ ٹھہرا۔ پیغمبروں نے خوف اور طمع کی آمیزش سے لوگوں کو منظم کیا۔ اور ان میں فکری وحدت پیدا کی۔ معاشرے کی رہنمائی کیلئے خیروشر کے پیمانے بتائے۔فلاح کا راستہ دکھلایا ۔ور تمام امور میں افراد انسانی کو ان کی حیثیت کے مطابق قابل مواخذہ ٹھہرایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وما كان الناس الاامة واحدة فاختلفوا (۲۵)

(اور تمام لوگ ایک ہی جماعت تھے۔ بعد میں انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔)

قرآن کریم نے جس وقت دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت انسانیت وحدت فکر سے ناآشنا تھی۔ البتہ نسلی تعصب اور تفاخر کی کئی شکلیں اس معاشرے میں موجود تھیں۔ کوئی دیوتاؤں کی نسل کا دعوے دار تھا۔ کوئی سمجھ رہا تھا کہ ان کا خون دوسرے انسانوں کے خون سے مختلف ہے۔ بلندی اور پستی

کامعیار یہ تھا کہ کوئی اپنے آپ کو برتراو کوئی کم تر سمجھتا تھا۔ اسی دوران اسلام نے اس کے برعکس ایک نیا اور منفرد تصور پیش کیا اور وہ تھا وحدت انسانیت کے تصور کے ساتھ ساتھ وحدت فکر کا۔ اپنے فائدے اور نقصان کا احساس تو ہر ایک ہوسکتا ہے۔ دوسروں کے فوائد اور نقصانات کا احساس صرف اور صرف وحدت فکرہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ اعزاز صرف اس خاص نظریے کے حاملین کو حاصل رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ:

"اساسی کلمہ کی شان زندگی کے تمام شعبوں میں یکساں سرایت کئے ہوئے تھی۔ پورے تمدن میں ہم آہنگی تھی۔ سارے ادارے یک رنگ تھے جس خدا کی عبادت مسجد کی چاردیواری میں ہوتی اسی کی اطاعت کھیت اور بازار میں بھی ہوتی تھی۔۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسا نظام تھا جس میں پوری انسانی زندگی ایک ہی خدائی ہدایت کے تحت تھی۔(۲۶)

اس فکری ہم آہنگی کی وجہ قرآن کا یہ پیغام تھا:

ان الذین عنداللہ الاسلام. ومن یتبع غیرالاسلام دینا فلن یقبل منہ(۲۷)

(دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ پس جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کیا تو وہ ہر گز قابل قبول نہیں ہوگا۔

اس واضح حکم کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی تعلیمات ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک رہیں۔ انمیں کسی قسم کی پیوندکاری نہیں ہوئی۔ اسلام نے صرف ظاہری پہلوؤں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ باطنی پہلوؤں پر بھی زیادہ زور دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر لی قلوبکم(۲۸)

(اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ظاہر کے بجائے باطن کی صفائی پر زیادہ زور دیا جارہا ہے۔ یہی وہ تعلیمات تھیں جنکی بدولت معاشرے میں رہنےوالے افراد کی سوچ یکسر بدل گئی۔ ان کی فکر، ان کے عقائد، اعمال اور جزاوسزا کے تصورات کے ساتھ مربوط ہوگئی۔ لوگوں میں ایک ایسے شعور نے جنم لیا جس کی وجہ سے وہ اس خاص عقیدے کے حاملین کو بھائی گردانتے لگے اور انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں دنیوی و اخروی کامیابیوں کیلئے کوشاں رہے۔ اور ان کی یہ ساری جدوجہد ایک خاص فکری وحدت کی تابع ہوگئی۔

(۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

قرآنی تعلیمات اپنے ماننے والوں پر انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں کچھ ذمہ داریاں عائد کرتی ہیں۔ اسی حوالے سے ہر مکلف شخص کی کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں بنتی ہیں چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، غریب ہو یا امیر آجر ہو یا اجیر، بیوی ہو یا شوہر، استاد ہو یا شاگرد تمام اپنی اپنی جگہ ذمہ دار ٹھہرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل کا جوابدہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها (۲۹)

(جس کسی نے اچھا کام کیا تو اپنے لئے کیا اور جس نے برا کیا تو اس کا بدلہ پائے گا۔)

ایک اور جگہ فرمایا:

ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلها (۳۰)

(اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے ہی نفع کیلئے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو ان کا وبال تمہارے اوپر ہوگا۔)

اسی طرح انفرادی ذمہ داری کے بارے میں فرمایا:

ولا تکسب کل نفس الا علیها ولا تزروازرۃ وزر اخری (۳۱)

(اور ہر کسی کو اپنے کئے کا صلہ ملے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔)

قرآن کریم امت مسلمہ کی مجموعی ڈیوٹی لگاتا ہے۔ ارشاد ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر (۳۲)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی (بھلائی) کیلئے مبعوث کی گئی ہو تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔)

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیرویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولئک هم المفلحون (۳۳)

(اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو (لوگوں) کو نیکی کی طرف بلایا کرے اور اچھے کاموں کا حکم دیا کرے اور برے کاموں سے منع کرے اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

مجموعی فریضہ بتاتے ہوئے ارشاد ہے:

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر (۳۴)

(اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔

صاحب ترجمان السنہ" کنتم خیر امة۔۔۔" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اسلام میں ایمان کی علامت صرف پیشانی پر نماز کا نشان" ہونٹوں ر روزوں کی خشکی اور بروقت زکواة کی ادائیگی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کی بڑی علامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی قرار دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف میں بڑا گہرا ربط ہے۔ ایمان صرف ان اعمال کے ادا کرنے سے کامل نہیں ہوتا جن سے کہ ایک انسان کے نفس کی صرف ذاتی تکمیل ہوجاتی ہے بلکہ اس کا معیار وہ اعمال ہیں جن سے تمام مخلوق کے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے۔ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ اس امت کی خلقت کا اصل منشاء صرف اپنے کمالات عملیہ کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کی تمام مخلوقات کی تکمیل کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے اور یہی اس کا طرہ امتیاز ہے۔ اور اسی بناء پر اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے(۳۵)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس امت کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے۔ جس کے ذریعے معاشرہ سے برائیوں کو ختم کرنا اور اسے معروف پر گامزن کرنا ہے۔ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف دوسروں تک محدود نہیں بلکہ اس کا مقصد اپنی اصلاح بھی ہے۔ معاشرے میں جو کوئی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے گا تو وہ پہلے خود بھی معروف اور منکر کا خیال رکھے گا۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ کا ہر فرد اس کا ذمہ دار ہے۔ اس وجہ سے لامحالہ معاشرہ برائیوں اور آلائشوں سے پاک ہوگا۔

عن ابن سعید خدریؓ قال سمعت رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم یقول من رای منکم منکرافلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فانلم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان (۳٦)

(ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کوئی برائی دیکھی تو اس کو چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روکے اگر اسکی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل میں اسے براجانے اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔)

ان تعلیمات کا مقصد معاشرہ کو پاک اور صاف بنانا ہے جس میں امت مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ

داری بنتی ہے کہ وہ اپنا فرض پورا کرے۔ ان تعلیمات کا اثر اس ابتدائی معاشرے میں یہ ہوا کہ پورا معاشرہ آلائشوں سے پاک ہو گیا۔ صحابہ کرام نے اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیئے۔ اسلامی اطراف عالم میں پھیلا اور انتہائی مختصر عرصے میں اسلامی ریاست میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔

۵- خیر خواہی اور ایثار

قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق خیر خواہی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا ایک اہم جزو ہے۔ اسی حوالے سے تمام پیغمبروں نے اپنی قوم کی خیر خواہی کے سلسلے میں:

"وانصح لکم"، "نصحت لکم"، "وانالکم ناصح امین"

(جیسے الفاظ استعمال کئے۔ قرآنی تعلیمات نے بھی معاشرے کی اصلاح اس انداز سے کی کہ معاشرے کے تمام ارکان کی زندگی کے تمام طور طریقے بدل گئے۔ اس سے بڑھ کر اور خیر خواہی کیا ہو سکے گی کہ لوگ اپنی ذاتی ضروریات نظر انداز کر کے دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینے لگے۔ قرآن کریم ان کی اس قربانی کی طرح اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

ویوثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصه (۳۷)

(اور (یہ لوگ) دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو شدید حاجت ہو۔)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

عن معاذ بن جبل انه سال النبی صلی اللّٰهعلیه وسلم عن افضل الایمان قال ان تحب اللّٰه وتبغض للّٰه وتعمل لسانک فی ذکراللّٰه قال وماذا یا رسول اللّٰه صلی اللّٰهعلیه وسلم قال وان تحب للناس ما تحب لنفسک وتکره لھم ماتکره لنفسک(۳۸)

(معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو بہترین ہو آپ نے فرمایا اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہمہ وقت یاد الٰہی میں لگائے رکھنا پھر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لئے پسند کرنا وہی سب کیلئے پسند کرنا اور جو اپنے لئے برا سمجھنا وہی سب کیلئے برا سمجھنا۔

ایک اور روایت ہے:

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللّٰهصلی اللّٰهعلیه وسلم تری المؤمنین فی

تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضواً تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی(۳۹)

(نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمانداروں کو باہم رحمدل" باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایک سا پاؤ گے جیسا کہ ایک قالب۔ اگر ایک عضو بیمار پڑجائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا اور بیداری کیلئے تیار ہوجاتا ہے۔)

ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا ثم شبک بین اصابعه(۴۰)

(ایک مومن دوسرے مومن کیلئے ایک عمارت کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کیلئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے کی انگلیوں میں ڈال دیں(دکھانے کیلئے کہ اس طرح)ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

عن انس عن النبی صلی اللہعلیه وسلم قال لا یومن احدکم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه(۴۱)

(حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے آپ کیلئے پسند کرتا ہے۔

یہی وہ تعلیمات تھیں جن کی وجہ سے ہمارے اسلاف نے ہمدردی اور ایثار کی وہ لازوال داستانیں رقم کیں جن کی مثال کسی دوسرے معاشرے میں ملنا ممکن نہیں۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رقم طراز ہیں:

"انصار نے جو مؤاخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اولین و آخرین میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ زر اور زمین مال اور جائیداد سے جو مہاجرین کے ساتھ سلوک کیا ہے۔وہ تو کیا ہی کہ زمین اور باغات مہاجرین کو دے ڈالے۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں طلاق کے بعد آپ اس سے نکاح کرلیں"(۴۲)

خیر خواہی اور ایثار کا یہ جذبہ میدان جنگ میں زخمی ہونے والے مجاہدین میں بھی اسی طرح رہا۔ کہ مسلمان مجاہد نزع کے عالم میں پانی کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہوئے بھی دوسرے مسلمان بھائیوں

کو اپنا پانی پیش کرتے ہیں۔ ایثار وہمدردی کی یہ مثالیں صرف اسلامی معاشرہ ہی پیش کرسکتا ہے۔ معاشرے میں یہ انقلابی تبدیلی صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کی بدولت ہی آئی تھی۔

۶۔ قیام عدل

قرآن کریم معاشرہ میں عدل کے قیام پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

ان اللّٰہ یامربالعدل والاحسان(۴۳) "بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتاہے۔"

فرمایا:

واقسطوا ان اللّٰہ یحب المقسطین(۴۴)

(اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)

ارشاد ہوا:

وذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل(۴۵)

(اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کیا کرو۔)

سورۃ النساء میں فرمایا:

یایھاالذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ ولو علی انفسکم اولوالدین والاقربین(۴۶)

(اے ایمان والو انصاف پر پختگی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کیلئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔)

سورۃ المائدۃ میں ارشاد خداوندی ہے:

یایھاالذین امنوا کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھواقرب للتقوی(۴۷)

(اے ایمان والو! اللہ کیلئے پختگی سے قائم رہنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو۔ اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو (ہر حال میں) انصاف پر قائم رہو (کہ) وہ تقوی کے زیادہ قرب ہے۔)

عدل کی اہمیت اجاگر کرنے کیلئے رسول اکرم ﷺ کی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان المقسطین عند اللہ یوم القیامۃ علی منابر من نور عن یمین الرحمن عزوجل وکلتا یدیدہ یمین(۴۸)

(اللہ کے نزدیک عدل وانصاف کرنے والے قیامت کے روز نور کے منبروں پر ہوں گے۔ یہ منبر رحمن کے دائیں جانب قائم ہوں گے اور رحمن کی دونوں جانب بابرکت ہیں۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:

سبعۃ یظلم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ الامام العادل(۴۹)

(اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اس دن اپنے سائے کے نیچے رکھے گا جس دن صرف اس کا سایہ ہوگا(ان میں سے)ایک امام عادل ہوگا۔)

عدل کی اہمیت سے متعلق عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

لان اقضی یومابالحق احب الی من عبادۃ سبعین عاماً(۵۰)

(یعنی ایک دن کا حق کا فیصلہ مجھے ستر سال کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔)

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تبصرہ الحکام لکھتے ہیں:

ومرادہ انہ اذا قضی یوما بالحق کان افضل من عبادۃ سبعین سنۃ فلذلک کان العدل بین الناس من افضل الاعمال البر واعلی درجات الاجر(۵۱)

(اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق کی ساتھ ایک دن کا فیصلہ ستر سالہ عبادت سے بہتر ہے اس وجہ سے لوگوں کے درمیان عدل، نیکی کے افضل اعمال میں سے ہے اور جزا کے اعتبار سے اعلی درجات کا حامل ہے۔

نظام عدل اسلامی حکومت کا ایک ممتاز ادارہ ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر بہت ساری قرآنی آیات اور احادیث رسول اللہ ﷺ وارد ہوئی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے اس حکم کے عملی نفاذ کے سلسلے میں اس ورجہ محتاط اور فکر مند تھے کہ لوگوں سے بار بار فرماتے جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی وہ مجھ سے بدلہ لے لے چنانچہ حدیث کی کتابوں میں اسے واقعات بھی ہیں جن میں آپ نے اپنے آپ کو بدلہ کیلئے پیش کیا۔ حضرت سواد بن عمر کہتے ہیں کہ میں ایک دن رنگین کپڑے پہن کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر "حط حط" فرمایا اور چھڑی سے ٹھوکا دیا۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں قصاص لوں گا۔ آپ نے فوراً شکم مبارک کھولکر میرے سامنے کردیا(۲۵) یہی وہ طریقہ کار ہے جس کے ذریعے معاشرے میں عدل کے قیام سے حقوق کا تحفظ یقینی ہوجاتا ہے۔ اسلام نے عدل کے قیام ہی کے ذریعے دور اول کے غیر منظم اور غیر مربوط معاشرے کو منظم کیا۔ اور عدل کی ایسی بے

مثالی داستانیں رقم کیں جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے علماء نے بھی اس اہمیت کے پیش نظر اس موضوع پر بہت کام کیا۔

امام سرخسی عدل کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان القضاء من اقوی الفرائض بعد الایمان باللّٰہ تعالیٰ وھو من اشرف العبادات(۵۳)

(حق کے ساتھ فصیلہ (عدل) ایمان باللہ کے بعد قوی ترین فرائض اوراہم ترین عبادات میں سے ہے)

اسلامی معاشرے کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت قیام عدل ہے۔

۷۔ امن عالم

ظہور اسلام کے وقت روئے زمین پر جہاں جہاں انسان بستے تھے وہاں وہاں معاشرتی انتشار اور فساد زوروں پر تھا۔ قتل وغارت گری، اخلاقی بے راہ روی، عشرت پسندی اور معاشرتی انار کی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ہر متمدن معاشرہ اس بدامنی کی لپیٹ میں تھا۔ اس بدامنی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ظہرالفساد فی البر والبحر بماکسبت ایدی الناس(۵۴)

(خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے)

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کا کوئی بھی فلسفہ اور کوئی بھی تعلیم اسی فساد کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ بلکہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق پر بدامنی میں بڑھوتری ہوتی رہی۔ اس بڑھوتری کی وجہ فساد کی بنیادوں کو ختم کرنے پر توجہ کی کمی اور مناسب تدابیر کی عدم موجودگی رہی۔ جبکہ اسلامی تعلیمات نے اصل اسباب اور محرکات کے خاتمے پر توجہ دی۔ اس نے ایک طرف امن کی خاطر جارحیت کا خاتمہ اور مقابلہ کرنے کی تعلیم دی اور دوسری طرف صلح وآشتی کی ترغیب دی۔ اسلام نے معاشرتی امن کو تباہ کرنے میں معانت کرنے والی درج ذیل بنیادوں کو خصوصی طور پر ہدف تنقید بنایا:

۱۔ بے ہنگم خواہشات ۲۔ کبروغرور ۳۔ استبدادیت

۴۔ معاشی محرومیاں ۵۔ کمزوروں کا استحصال

انسانی معاشرے میں امن کو تباہ کرنے میں ان بے ہنگم خواہشات اور خیالات نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں کوئی اپنے آپ کو" انا احی وامیت" کی صفت سے مزین کرتا تھا تو کوئی

اپنے آپ کو "انا ربکم الاعلیٰ" سمجھتا تھا۔ کوئی اپنے آپ کو" اوتیتہ علی علم عندی "کا حامل سمجھتا تھا۔ کوئی احساس برتری کا اسیر تھا اور کوئی احساس کمتری اور احساس محرومی کا شکار۔ ان تضادات کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے میں سے انسانی اوصاف مفقود ہو گئے۔ انسان کی رہنمائی کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام کا جو سلسلہ جاری رکھا تھا۔ اس کے ذریعے لوگوں کو جہالت اور اندھیرے سے نکالنے کی کوششیں ہوئیں اور الٰہی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچایا گیا۔ ان تعلیمات کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ فساد کی ناپسندیدگی اور کراہت کو لوگوں پر واضح کیا جائے اور دوسرا یہ کہ اس کو ختم کرنے کیلئے تدبیر کے طور پر ایک طریقہ کار کو متعارف کروایا جائے۔ ان دو میں سے ایک طریقہ عقیدہ واخلاق کا تھا اور دوسرا مناسب قوت کے استعمال کا۔ لیکن بعد کے لوگوں نے ان تعلیمات میں ردوبدل کر کے ان کی اصلی شکلوں کو بگاڑ دیا۔ نتیجتاً معاشرہ سدھرنے کے بجائے بگڑنے لگا۔ اس معاشرتی بگاڑ کو درست کرنے کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے کی آخری کڑی جناب رسول اللہ ﷺ کی توسط سے اپنا آخری پیغام (قرآن مجید) انسانیت کی رہنمائی کیلئے نازل فرمایا جس نے اس معاشرتی بے راہ روی کو درست کرنے کیلئے وہی عملی تدابیر بتائیں۔ جن کے ذریعے طبقاتی کشمکش اور امتیازات کو اخوت اور بھائی چارے "غرور وتکبر کو عجزوانکساری اور مفاد پرستی کو ایثار وہمدردی میں تبدیل کرنا ممکن ہوا۔ جذبات کی رو میں بہہ کر حق وباطل میں تمیز ختم ہوجانے سے جو فتنہ وفساد معاشرے میں برپا ہو گیا تھا۔ اسے جذباتیت سے نکال کر عقل اور دین کی کسوٹی پر پرکھنے کا طریقہ بتایا۔ برائی کو برائی سے ختم کرنے کے طریقہ کار کی جگہ برائی کو نیکی سے ختم کرنے کا درس دیا۔

ارشاد ہوا:

لا تستوی الحسنۃولاالسیئۃادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم. ومایلقاھاالاالذین صبرواومایلقاھاالاذوحظ عظیم(۵۵)

(نیکی اور بدی یکساں نہیں ہوسکتی تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی دشمنی ہے وجگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت صبر کرنے والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ پیغام نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے امن عالم کے قیام میں اپنے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے اپنا پیغام دو ٹوک انداز میں بیان کیا:

ھوالذی ارسل رسولہ بالحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون(۵۶)

(اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔)

فساد کو بیخ سے اکھاڑ باہر کرنے سے متعلق ارشاد ہوا:

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انه قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا(۵۷)

(اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کیا تھا کہ جس نے کسی انسان کے خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے علاوہ کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانیت کو قتل کیا۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

انماجزاء الذین یحاربون الله وسورله ویسعون فی الارض فساد ان یقلتوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض(۵۸)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ ودو کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اور ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کردیئے جائیں۔)

اسی طرح فساد کو ختم کرنے کیلئے قرآن کریم نے باقاعدہ جنگ کرنے کا حکم ارشاہوا:

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة(۵۹)

(اور ان کے ساتھ اس وقت تک لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے۔)

ایک اور جگہ فرمایا:

قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلوکم(۶۰)

(اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں)

لڑنا بھی اپنے لئے نہیں بلکہ خالص اللہ کیلئے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من قاتل لتکون کلمة الله هی اعلی فهو فی سبیل الله(۶۱)

(جو اس لئے لڑا کہ اللہ کا بول بالا ہو تو وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔)

لیکن اگر فریق مخالف لڑنے سے گریز کرے تو قرآن کا حکم صلح کو قبول کرنے کا ہے۔

فرمایا:

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل الله لکم علیهم سبیلاً(۶۲)

(پس اگر وہ کنارہ کشی کریں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہیں صلح کا پیغام دیں تو تمہیں اللہ نے ان کے اوپر راستہ نہیں دیا (یعنی تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں)

ایک اور جگہ فرمایا:

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله(٦٣)

(پس اگر دشمن صلح پر اتر آئے تو تم بھی صلح جوئی اختیار کرو۔)

اسی طرح معافی اور صلح جوئی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فمن عفاواصلح فاجره على الله ان الله لا يحب الظالمين(٦٤)

(پس جن نے معاف کردینے اور صلح جوئی والی روش اختیار کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ناپسند کرتا ہے۔)

اسی طرح زیادتی کا بدلہ لینے کے بارے میں فرمایا:

فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل مااعتدى عليكم(٦٥)

(اگر تم سے کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی حد تک کرو۔)

اسلام سلامتی کا مذہب ہے اور اپنے ماننے والوں کو امن کا درس دیتا ہے کفار مکہ نے جب مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا اور وہ مدینہ ہجرت کر گئے تب بھی ان کو چین سے نہ رہنے دیا۔ مجبوراً مسلمانوں کو امن کی خاطر لڑنے کا حکم ملا۔ رسول اکرم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اسی طرح صلح و آشتی کے ساتھ رہا جائے اس حوالے سے جتنی بھی جنگیں کفار کے ساتھ لڑی گئیں سب کی سب مدافعانہ طریق سے لڑی گئیں اور دفاع کی تکمیل کیلئے جب مکہ پر چڑھائی کی تو اپنے کٹر مخالفوں کو بھی "لا تثريب عليكم اليوم" کہہ کر امن و آشتی کا درس دیا۔

اسلام نے حالت امن اور حالت جنگ دونوں میں اخلاقیات کو ہاتھ سے نہ جانے کا درس دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل ہی قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ جنگ میں دشمن کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئیں اور ان کو خوشخبری سناتے رہیں۔ انکی آسائشوں کا خیال رکھیں اور ان پر سختی نہ ہونے دیں۔ اسی طرح آپ نے بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری کا حکم دیا۔ جنگ کے دوران بچوں، بوڑھوں اور عورتوں اور مذہبی رہنماؤں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

ارشاد ہوا:

(لاتقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولاامراۃ(٦٦)
(بوڑھے " بچے "کمر عمر اور عورت کو قتل مت کرو۔)

امام ابو یوسف حضرت مجاہد کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جنگ میں بچوں عورتوں اور بہت بوڑھے افراد کو قتل نہیں کیاجائے گا(٦٧)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کسی غزوہ میں ایک عورت (میدان جنگ میں) مقتول پائی گئی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کردی(٦٨)

اسی طرح مذہبی رہنماؤں کے قتل سے باز رہنے کا حکم بھی دیا۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے لشکر روانہ کرتے تو یہ فرماتے کہ خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرنا(٦٩)

آپ ﷺ نے ان تعلیمات کو صرف انسانوں تک محدود نہیں کیا بلکہ پھل دار اور سایہ دار درختوں کو کاٹنے اور عبادت کیلئے مخصوص مقامات کو منہدم کرنے سے بھی منع فرمایا:

اسلامی تعلیمات کی اس پوری دعوت کے ذریعے وہ عظیم الشان انقلاب برپا ہوا جس کی مثال دنیا کا کوئی معاشرہ دینے سے قاصر ہے۔ یہی وہ تعلیمات ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں حقیقی طور پر امن کا قیام ممکن ہوا۔ اور صدیوں سے فتنہ وفساد کا حامل معاشرہ امن کا علمبردار بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امن کو نعمت خداوندی سے تعبیر کیا:

عن اب عباس رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللّٰہعلیہ وسلم نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ(٧٠)

(ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے ایک صحت اور دوسری امن۔)

۸۔ مذہبی رواداری

اسلام تمام مذاہب کے ساتھ باہمی رواداری اور احترام کی دعوت دیتا ہے اور اس سلسلے میں قدر مشترک بھی تجویز کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اہل کتاب کے ساتھ ممکنہ اشتراک کی بنیاد کے بارے میں فرمایا:

قل یااھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰہ(٧١)

(اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔)

الہامی تعلیمات کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوجاتا ہے۔ان سب پیغمبروں نے ایک ہی قسم کی تعلیمات لوگوں کو پہنچائیں۔ یہ تمام تعلیمات ازلی صداقتوں پر مشتمل ہیں جن کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان تعلیمات کے لانے والوں کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا:

لانفرق بین احد من رسله(۴۲)

(ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔)

تعلیم اور طرز عمل دونوں سے پہلے انبیاء کی تصدیق بھی کی گئی اور ان کو اپنا بھی قرار دیا گیا۔ اسلام نے ان تمام تعلیمات کو الہی ترمیم و تنسیخ کے پیمانوں سے گزار کر من و عن تسلیم کیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

شرع لکم من الدین ماوصی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم وموسی وعیسی (۴۳)

(اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جسے (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم، موسی اور عیسی کو دے چکے ہیں۔)

دیکھا گیا ہے کہ مذہبی غلو اور تشدد پسندی نے ہمیشہ معاشرتی امن تباہ و برباد کیا ہے۔ اس لئے اسلام نے تمام مذاہب کے درمیان، رواداری اور باہمی احترام کے جذبے کے فروغ پر نہ صرف زور دیا ہے بلکہ اسے ابھارا بھی ہے۔ قرآن کا اپنے پیروکاروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه(۴۴)

(میرے ان بندوں کو خوشخبری دیجئے جو بات غور سے سنتے ہیں اور اس میں سے بہترین کی پیروی کرتے ہیں۔)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

الحکمة ضالة المومن(۴۵) (دانائی کی بات مومن کا گمشدہ خزانہ ہے)

یہ وہ تعلیمات ہیں جن کی بدولت معاشرتی خوشگواری ہی پیدا ہوسکتی ہے اور یہی معاشرتی خوشگواری باہمی رواداری کا موجب بنتی ہے۔ قرآن کریم دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ

حسن سلوک اور حسن معاشرت کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے:

لاتسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ(۷۶)

(جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا بھلا مت کہو۔)

اہل کتاب کے متعلق فرمایا:

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن(۷۷)

(اہل کتاب سے بحث نہ کرومگر احسن طریقے سے)

اسی حسن کے لفظ کو تحمل" شائستگی یا باہمی رواداری ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس کا اطلاق تمام مذاہب کے ساتھ برتاؤ پر ہوسکتا ہے۔ اسلام کی اس رواداری کے برخلاف کچھ مستشرقین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ جبکہ دین میں جبر کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی(۷۸)

(دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔ہدایت گمراہی کے مقابلے میں واضح کردی گئی ہے۔)

سورہ یونس میں ارشاد ربانی ہے:

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین(۷۹)

(توکیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے۔)

اسی حوالے سے فرمایا:

ولوشاء ربک لامن من فی الارض کلهم جمیعا(۸۰)

(اگر تمہارا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔)

اسلام دین کی تبلیغ میں بھی جبر واکرہ کی نفی کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

انما انت مذکر لست علیهم بمصیطر(۸۱)

(اے نبی ﷺ تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو جبر کرنے والے نہیں)

الٰہی تعلیمات کو پہنچانے کا کارنامہ مختلف زمانوں میں مختلف پیغمبروں نے انجام دیا اور وہ ان تعلیمات کیلئے نمونہ کے طور پر پیش ہوتے رہے جب بھی وہ لوگوں کو مخاطب ہوتے تو اپنا مدعا بیان کرنے کے بعد فرماتے:

وما علینا الاالبلاغ(۸۲)

(یعنی ہم پر تو صرف پہنچانا ہی ہے۔)

جھگڑے فساد سے ان پیغمبروں نے ہمیشہ اجتناب کیا اگر کہیں ان کا واسطہ پڑا بھی تو فرماتے ہیں:

الله ربنا وربکم ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجة بیننا وبینکم(۸۳)

(اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے درمیان کوئی لڑائی نہیں)

اسلامی تعلیمات میں زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء نے تبلیغ کا طریقہ اختیار کیا جبر کا نہیں۔ اسلام میں بنیادی حیثیت عقیدے کو حاصل ہوتی ہے اور اس کا تعلق انسان کی اندرونی کیفیات سے ہوتا ہے۔ اسے جبراً بدلنا ممکن نہیں ہوتا۔ اگر کسی پر جبر کر کے اسے مسلمان بنا بھی لیا جائے تو وہ ظاہری طور پر تو مسلمان ہوگا لیکن باطنی طور پر نہیں۔ اور جو کوئی بھی ظاہری اور باطنی طور پر مختلف ہوگا۔ تو وہ مسلمان کے بجائے منافق کہلایا جائے گا اور منافقین کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ولن تجد لھم نصیراً(۸۴)

(بے شک منافقین قیامت کے روز آگ کے نچلے حصوں میں ہوں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہیں پاؤ گے۔)

بھلا ایسے اسلام کی پھر کیا ضرورت رہ جاتی ہے جسے اسلام خود بھی قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس وجہ سے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اسلام نے نہ تو جبر و اکراہ سے کام لیتے ہوئے اسلام لانے کی کبھی پذیرائی کی ہے اور نہ مذہبی رواداری کو پس پشت ڈال کر دوسرے عقائد اور نظریات کی توہین کی ہے بلکہ اسلامی تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اکثر مذاہب کو ان کی پہلی شکلوں میں اپنا قرار دیتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

ولقد ارسلنا من قبلک رسلا الی قومھم(۸۵)

(اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر(۸۶)

(اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں ڈرانے والا نہ بھیجا گیا ہو۔)

یہ بھی فرمایا:

انما انت منذر وکل قوم هاد (۸۷)

(تم (اے نبی ﷺ) محض ایک ڈرانے والے ہو اور ہر ایک قوم کا کوئی نہ کوئی ہدایت والا رہا ہے۔)

پھر ان سب ڈرانے والوں کے بارے میں فرمایا:

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسماعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (۸۸)

(کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم، اسماعیل، یعقوب اور ان کی اولادوں پر نازل کی گئی تھی اور جو موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ عبداللہ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔)

تمام انبیاء پر بلا تفریق ایمان لانا مسلمانوں کے عقیدے کا لازمی جزو ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان تمام انبیاء کو تسلیم نہ کر لے۔ اسلام نے تمام مذاہب کی اچھائیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس رواداری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا پیغام اطراف عالم میں پھیل گیا۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن:۲:۳۰

۲۔ سیوہاروی، حفظ الرحمن ، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص:۲۲۷ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور مارچ ۱۹۷۶ء

۳۔ القرآن:۴:۳۶

۴۔ القرآن:۲:۲۱۳

۵۔ ابن خلدون، مقدمہ (اردو)، ص:۶۳، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، تاریخ ندارد

۶۔ القرآن:۲:۱۶۳

۷۔ القرآن:۱۳:۳۰

۸۔ القرآن:۲۲:۳۴

۹۔ القرآن:۶:۱۴

۱۰۔ القرآن:۶:۱۴

۱۱۔ القرآن:۱۶:۱۶

۱۲۔ شاہ ولی، حجۃ اللہ البالغہ (اردو)، ص:۱۰۹، دار الاشاعت کراچی، تاریخ ندارد

۱۳۔ القرآن:۷:۱۹۵

۱۴۔ القرآن:۲۱۶:۶۲

۱۵۔ القرآن:۶:۸۲

۱۶۔ القرآن:۶:۱۶۲

۱۷۔ ابن ماجہ، سنن، ص:۳۰۱ ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ سرگودھا، ۱۳۹۴ھ

۱۸۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، ۱۰۵/۸، المکتبہ السلفیہ مدینہ منورہ، تاریخ ندارد

۱۹۔ ابن ہشام، سیرۃ النبویۃ، ۱:۳۱۶، دار احیاء التراث العربی بیروت تاریخ ندارد

۲۰۔ ابن ہشام، سیرۃ النبویۃ، ۲:۱۲۷

۲۱۔ القرآن:۴۹:۱۳

۲۲۔ القرآن:۱۷:۷۰

۲۳- القرآن:۴:۱

۲۴- ابن ہشام، سیرۃ النبویۃ،۲:۵۴

۲۵- القرآن:۱۰:۱۹

۲۶- نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص:۴۴، اسلاک پبلیکیشنز، لاہور، اکتوبر۱۹۷۷ء

۲۷- القرآن:۳:۱۹

۲۸- العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری:۷/۲۱۴ الدعوۃ الارشاد الریاض۔

۲۹- القرآن:۴۵:۱۵

۳۰- القرآن:۱۷:۷

۳۱- القرآن:۶:۱۶۳

۳۲- القرآن:۳:۱۰

۳۳- القرآن:۳:۱۰۴

۳۴- القرآن:۹:۷۱

۳۵- بدرعالم، مولانا، ترجمان السنۃ،۲:۲۱۴، سعید اینڈ کمپنی کراچی، تاریخ ندارد

۳۶- ترمذی، جامع، ۲/۴۰-۳۹ کتب خانہ رشیدیہ" دہلی تاریخ ندارد

۳۷- القرآن:۵۹:۹

۳۸- بدرعالم، مولانا، ترجمان السنۃ:۲/۲۰۰

۳۹- بخاری، جامع الصحیح، ۲:۸۸۹ قدیمی کتب خان کراچی۱۹۶۱ء

۴۰- بخاری، جامع الصحیح، ۲:۸۹۰

۴۱- بخاری، جامع الصحیح، ۱:۶

۴۲- کاندھلوی، محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ:۱:۳۹۴، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ، لاہور۱۹۸۵ء

۴۳- القرآن:۱۴:۹۰

۴۴- القرآن:۴۹:۹

۴۵- القرآن:۴:۵۸

۴۶- القرآن:۴:۱۳۵

۴۷- القرآن:۵:۸